

## Sakoon Naseeb Na Ho

[میں تو ماں باپ کے دل کی ٹھنڈک تھی، وہ مجھ کو ہاتھ کا چھالا بنا کر پال رہے تھے۔ ناز بھی شہزادی جیسے، مگر جلد ہی یہ آبگینہ پھوٹ گیا۔ ایک روز کا ذکر ہے والد دفتر سے لوٹے تو افسردہ سے تھے۔ آتے ہی بستر پر ڈھے گئے۔ شاید موت ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ امی سے پانی مانگا۔ وہ ابھی گلاس میں پانی لا رہی تھیں کہ یہ ذرا سی دیر میں چٹ پٹ ہو گئے۔ چند دن سوگ میں گزرے، ہوش آیا تو چولہا ٹھنڈا پڑا تھا اور پیٹ میں بھوک نے انگارے دیکا دیئے تھے۔ ایسے میں اپنے پرانے سب دور ہو گئے۔ کوئی معاشی سہارا نہ تھا۔ ماں نے مجبوراً سلائی مشین کا سہارا لیا۔ اسے صاف ستھرا کیا اور محلے والوں کے کپڑے لا کر سلائی میں مشغول ہو گئیں۔ یوں زندگی کا بوجھ گھسیٹ کر مجھ کو میٹرک کرا دیا۔ اب میں نوکری کر کے ماں کا بوجھ بانٹنا چاہتی تھی۔ مگر ماں کہتی تھیں۔ ابھی اور پڑھا xa0 – وہ مجھ کو زیور تعلیم سے سجا دینا چاہتی تھیں۔ یوں میں نے ان کے اصرار پر کالج میں داخلہ لے لیا اور میلوں کے چکر پیدل کاٹنے لگی۔ کالج دور تھا، سڑک پر رش ہوتا تھا۔ گلیوں سے گزرتے ایک دن احساس ہوا کوئی میرے پیچھے آتا ہے۔ ہمت کر کے مڑ کر دیکھا تو ایک نہایت خوب رو نوجوان کو اپنا پیچھا کرتے پایا ... دراز قد، گورا چٹا تھا۔ بھولی بھالی صورت تھی، دل کو بھایا مگر خوفزدہ بھی تھی۔ اس نے بھی مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر دل کو تھام لیا۔ اب یہ معمول ہو گیا میں گھر سے نکلتی اور وہ بھولی صورت والا رستے میں منتظر مٹا۔ نگاہوں سے نگاہیں ملتیں، پیغام کی صورت پلکیں چپکٹیں، پھر یہ پیغامات تحریروں کی صورت میں ڈھلنے لگے۔ ایک دن وہ آیا کہ ہم ایک بندھن میں بندھ جانے کے آرزو مند ہو گئے۔ اس کا نام سرور تھا، وہ ایک ایڈوکیٹ کا سپوت تھا اور والد کسی کے مقدمے کی پیشی کے سلسلے میں لاہور آئے تھے۔ یہ بھی شہر دیکھنے کی چاہ میں باپ کے ساتھ آ گیا۔ یہ لوگ ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھے جو ہمارے کالج کے قریب تھا۔ وکیل صاحب صبح کورٹ چلے جاتے اور صاحبزادے مجھ سے ملنے آتے۔ یوں کبھی کسی پارک میں جاتے اور کبھی کوئی تاریخی مقام دیکھنے ہم نکل پڑتے۔ لاہور کی ہر خوبصورت جگہ سے ہم نے یادوں کے خزانے جمع کر لئے۔ وہ دن آیا جب انہوں نے واپس اپنے گاؤں لوٹ کر جانا تھا۔ سرور نے بتایا تو میں خوب روئی xa0 میرا کلیجہ مسل دیا، لاج کے بندھن توڑ کر میں نے اسے اپنے گھر بلا لیا۔ اماں تو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھی۔ ان کو کیا خبر ان کی شرمیلی بیٹی نے جذبات میں کیا قدم اٹھا لیا ہے۔ وہ رات میری زندگی کی عجیب رات تھی۔ ایک دوسرے سے بچھڑنے کا غم اس قدر تھا کہ ہم دونوں ہی رو پڑے تھے۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ جونہی چپ کرانے کو اس نے مجھے گلے لگایا جواہک بھڑکنی آگ میں ڈھل گیا۔ تنہائی اور بے خوفی محبت محبت نہ رہی آگ اور گپاس کا کھیل بن گئی۔ ضبط کی ناؤ ڈوب گئی تو پریشانی کا طوفان دل کو ڈبونے لگا میں رونے لگی اور وہ تسلی دینے لگا کہ گھبراؤ مت جاتے ہی اماں سے بات کروں گا اور پھر ان کو لے کر آؤں گا۔ اب تم کو مجھے بیاہ کر لے جانا xa0\ xa0اور یہ تم سے پکا وعدہ ہے۔ اس وعدے نے مجھے ہی زندگی بخش دی اور اپنا سارا خسارہ بھول کر میں اس کے خیالوں میں کھو گئی۔ وہ چلا گیا اور میں اس کے لوٹ آنے کی امید میں دن گن گن کر کاٹنے لگی۔ جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ جو سنذر سینا دیکھا تھا وہ بس ایک خواب تھا اور اب وہ نہیں آئے گا۔ ادھر ماں میری بگڑی طبیعت اور بھاری قدموں کو اپنی جہاں دیدہ نگاہوں سے ٹول رہی تھیں۔ آخر ایک روز انہوں نے سر پیٹ لیا اور پھر مجھ کو پیٹنے لگیں۔ وہ جو بھی سوال کرتیں میں جواب نہ دیتی۔ بالآخر وہ تھک بار کر بیٹھ گئیں۔ پہلے تو امید تھی کہ آج نہیں تو کل آجائے گا اور یہ سارے خوف کے سانپے میرے سر سے ہوا ہو جائیں گے۔ مگر دن پر دن گزرتے رہے وہ نہ آیا۔ اب تو قیامت کا دن قریب آگیا، ماں کو اسی قیامت کے خوف نے بالآخر ننگل لیا اور وہ ایک روز سوئیں تو پھر نہ اٹھ سکیں۔ ماں تو ایک گھنیر درخت تھی، چھاؤں بھرا ایک چھپر تھی۔ ایک سائبان تھی جو زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھتی تھی۔ جب وہ سائبان ہی نہ تھا ہاتھ میں اکیلی کیا کرتی تھی۔ سوچا سے پہلے کہ محلے والے پتھر مارنے آجائیں یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ایک دن دو جوڑے کپڑے اٹھا کر تھوڑی سی نقدی گرہ میں باندھ کر میں نے مکان کو نالا لگایا اور سرور کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ جس گاؤں کا نام اس کے منہ سے سنا تھا تلاش کرتی وہاں جا پہنچی۔ پتہ چلا کہ وہ کراچی چلا گیا ہے۔ کراچی جیسے شہر میں تلاش کرنا آسان کام نہ تھا۔ کراچی میں اس کی ایک رشتہ دار رہتی تھی میں وہاں گئی۔ اس عورت سے بہانہ کیا کہ ملازمت کیلئے آئی ہوں مگر میری حالت دیکھ کر وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گئی۔ میں دوبارے غم سے مری جاتی تھی، ایک طرف سرور کا xa0 پتہ نہ تھا، دوسری جانب اس کی نشانی میرے وجود کا بوجھ بن گئی تھی۔ ہمت کی خدا کا نام لے کر اس کی خالہ کو xa0\ xa0سچ xa0 ساری بات سنائی تو وہ سٹپٹا گئی۔ جب بتایا کہ امی ابو وفات پاچکے ہیں اور دنیا میں کوئی میر انہیں ہے تو ان کو ترس آگیا، مجھے لے کر ایک نرس کے پاس گئیں جو ان کی واقف کار تھی۔ اتفاق سے ایک ضرورت مند عورت وہاں آئی ہوئی تھی جسے ایک نفی سے بچے کی آرزو تھی۔ وہ بیوہ اور بے اولاد تھی، اس کا بھائی بھی بے اولاد دیگر ایک مالدار بزنس میں تھا۔ نرس کی زبانی ہماری رام کہانی سن کر اس نے ہم کو اپنے گھر چلنے کی پیشکش کر دی۔ 'یہ عورت ہمارے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئی۔ پتہ چلا کہ اس کا بھائی شادی کے قابل نہیں ہے۔ مگر سماج میں عزت بنانے کو شریک حیات چاہتا ہے اور دولت کا وارث بھی۔ اس نے شادی کی آفر کی، یہ پیشکش میرے لئے تو زندگی کی نوید تھی۔ xa0 حامی بھر لی، یوں مجھے تحفظ اور بچے کو باپ کا نام مل گیا۔ اس کا نام حبیب تھا، وہ نیک دل آدمی تھا۔ اسے اولاد اور مجھے سہارا مل گیا۔ اس نے اپنی محبت سے میرا دل جیت لیا اور میں نے اسے وہ آرام اور سکون دیا جو ایک اچھی عورت اپنے خاوند کو دے سکتی ہے۔ مجھے تحفظ کے ساتھ ساتھ زندگی کی ہر نعمت مل گئی مگر دل پر جو زخم سرور نے لگا یا وہ آج تک ہرا ہے۔ شاید سرور کو یہ خیال ہو گا کہ اس دن مجھے دھوکا دے کر بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ایک بے بس بیوہ کی بچی کو محبت کے نام پر لوٹ کر وہ تو نگر ہو گیا ہے مگر قیامت کے دن ضرور اس کی پوجہ گچہ ہوگی۔ کیونکہ جو جیسا کرے گا اس دنیا میں اس کے اعمال نامے میں ویسا ہی لکھا جائے گا۔ وہ سمجھتا ہوگا کہ دردر کی ٹھوکریں کھا کر مر گئی ہوگی۔ جس نے اس کی خالہ کا پتہ دیا تھا وہی میرے لئے فرشتہ رحمت تھا اور خالہ نے بھی ترس کھا کر میری زندگی بچالی۔ مگر سرور نہیں جانتا کہ خدا جب کسی کے گناہ کا پردہ رکھتا ہے تو اس پر اپنی رحمت کا سایہ کر دیتا ہے۔ لیکن بے رحم لوگوں پر اس کی پکڑ بہت سخت ہو سکتی ہے۔ میں دعائیں دیتی ہوں اس شخص کو جس نے ان حالات میں مجھے اپنا کر سہارا دیا، جب سایہ بھی انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ سرور کو کیا خبر جس بنیم اور بے سہارا لڑکی کو اس نے بیچ منجداہار میں دھکا دے کر چھوڑا تھا آج وہ کروڑوں کی مالک ہے۔ میری بددعا ہے کہ سرور کو بھی سکون نصیب نہ ہو۔ میرے بیٹے کو توبال ل گیا مگر سرور xa0\ جسے لوگوں کو بھی اولاد کا سکون نصیب نہ ہو۔']